خبر نامہ ادارۂ تحقیق و تصنیفِ اسلامی علی گڑھ

سکریٹری ادارہ مولانا سید جلال الدین عمری کی ایک تازہ کتاب "ملک و ملت کے نازک مسائل اور ہماری ذمہ داریاں" مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نئی دہلی سے شائع ہوئی ہے۔ اس کی تقریبِ اجراء ۴ راگست ۲۰۱۲ء بروز شنبہ مولانا محمد سراج الحسن امیر جماعت اسلامی ہند کی زیر صدارت مرکز جماعت کے کانفرنس ہال میں منعقد ہوئی۔ پروفیسر ظفر احمد نظامی سابق صدر شعبۂ سیاسیات، جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی اس تقریب کے مہمانِ خصوصی تھے انھوں کے کتاب کے مضامین اور اسلوب کی غیر معمولی تعریف کی۔ اس موقع پر مصنف نے کتاب کے تعارف کے طور پر یہ مختصر سا مضمون پڑھا تھا۔ افادۂ عام کے لیے اسے ذیل میں دیا جا رہا ہے ——— (ادارہ)

ملک و ملت کے حالات اور مسائل پر راقم الحروف کو کبھی کبھی کچھ لکھنے کا اتفاق ہوتا رہتا ہے۔ اس سلسلے کے مضامین کا ایک مجموعہ "یہ ملک کدھر جا رہا ہے" کے عنوان سے کئی سال قبل شائع ہوا تھا۔ خدا کا شکر ہے اسے توجہ اور قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ اس کے ایک سے زائد ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ ہندی ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔ بعض مضامین کی کتابچوں کی شکل میں وسیع پیمانے پر اشاعت بھی ہوئی ہے۔ اب یہ دوسرا مجموعہ "ملک و ملت کے نازک مسائل اور ہماری ذمہ داریاں" پیشِ خدمت ہے:

عنوان بہت بڑا ہے اور کتاب بہت چھوٹی۔ دریا کو کوزے میں بند کرنا ایک فن ہے۔ یہ فن مجھے نہیں آتا اور پھر کوزے اور صراحی کا بھی اتنا سائز تو ضرور ہونا چاہئے کہ وہ کوزہ یا صراحی لگے۔ یہاں چند صفحات ہیں۔ ان کا بھی ایک موضوع نہیں ہے بلکہ دس مضامین دس مختلف عنوانات کے تحت ہیں۔ ان مختلف موضوعات اور محدود صفحات میں ان بے شمار مسائل کا کیسے احاطہ کیا جا سکتا ہے۔ جو ہمیں چاروں طرف سے اپنے نرغے میں لئے

ہوئے ہیں اور جن سے باہر نکلنے کی تدبیر بہت سے دانشور بھی نہیں کرپارہے ہیں یہاں داماں وسیع سے وسیع تر ہو تو بھی تنگیٔ داماں ہی کی شکایت ہوگی۔ ع

سفینہ چاہئے اس بحرِ بیکراں کے لئے

اس مجموعے میں جو مضامین شامل ہیں ان میں کا ایک مضمون ۱۹۸۶ء کا تحریر کردہ ہے اور ایک مضمون ۲۰۰۲ء میں قلم بند ہوا ہے۔ باقی مضامین درمیانی عرصے میں لکھے گئے ہیں۔ اُن سب مضامین کے پیچھے ایک متعین فکر اور ایک واضح نقطۂ نظر ہے جو ان سب کو یکجا کرنے یا ایک رشتے میں منسلک کرنے کا جواز فراہم کرتا ہے۔ ؎

رشتۂ در گردنم افگندہ دوست
می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

دنیا کا ہر فرد بہت سے مسائل لے کر پیدا ہوتا ہے۔ اس کے وجود کے ساتھ مسائل وابستہ ہیں۔ چھوٹے بڑے، آسان مشکل، گوناگوں اس کے مسائل ہوتے ہیں۔ ان ہی سے نبرد آزما ہونے کا نام زندگی ہے۔ جو ان مسائل پر قابو پالے اس کے سر پر کامیابی کا تاج ہوتا ہے جو ان سے شکست کھا جائے ناکامی کا داغ لے کر اس دنیا سے جاتا ہے۔

فرد کی طرح ملک و قوم کے بھی مسائل ہوتے ہیں۔ یہ فرد کے مسائل سے زیادہ اہم، نازک، پیچیدہ اور تہہ دار ہوتے ہیں۔ جو قوم ان گرہوں کو کھول دے اور صحیح طریقہ سے انہیں حل کر لے، سربلندی اس کے حصے میں آتی ہے اور قوموں کے درمیان وہ فتح و کامرانی کا مینار تعمیر کرتی ہے۔ ان کے صحیح حل پر پوری قوم کی فلاح و بہبود کا دار ومدار ہوتا ہے اور اگر مسائل صحیح ڈھنگ سے حل نہ ہوں یا بروقت حل نہ ہوں تو پوری قوم کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے اور کبھی صدیوں اس کے صدمات برداشت کرنے اور سہنے پڑتے ہیں شاید ایسے ہی موقع کے لئے کہا گیا ہے۔

رفتم کہ خاطر از پا کشم محمل نہاں شد از نظر
ایک لحظہ غافل بودم و صد سالہ راہم دور شد

ان مضامین میں ان خطرات سے آگاہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو قوموں کی تباہی و بربادی کا سبب بنتے ہیں اور اُن خطوطِ کار اور سنگہائے میل کی نشان دہی کی گئی ہے جن پر گامزن ہو کر قومیں اپنی دشواریوں پر قابو پاتی اور سفرِ حیات کامیابی سے طے کرتی ہیں،

منزل جن کا ہر گام پر استقبال کرتی اور جن کے قدم چومتی ہے۔ یہ قومیں دنیا سے وہ کچھ پاتی ہیں جو پانے کے قابل ہے اور دنیا کو وہ سب کچھ دیتی بھی ہیں جن کی اس کو ضرورت ہے۔

ہمارا ملک ہندستان ایک عظیم اور وسیع و عریض ملک ہے اس کے گوناگوں مسائل ہیں۔ یہ مختلف اکائیوں کا مجموعہ اور تہذیبوں کا گہوارہ ہے۔ یہاں آب وہوا، غذا، رنگ روپ ہی کا نہیں تہذیب و تمدن اور کلچر کا بھی اختلاف ہے۔ یہاں دنیا کے بڑے بڑے مذاہب پائے جاتے ہیں یہاں زبانوں کا اختلاف ہے۔ یہاں اکثریت اور اس کے مختلف طبقات ہیں۔ یہاں اقلیتیں اور ان کے مسائل ہیں۔ یہاں سیاسی، معاشی اور معاشرتی الجھنیں اور مسائل ہیں۔ اس مجموعہ کے ایک مضمون میں ان پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ایک دوسرے مضمون میں ملک کے معاشرتی اور تہذیبی مسائل میں صرف ایک طبقاتی نظام زیرِ بحث آیا ہے اور اس کی نامعقولیت واضح کی گئی ہے۔

ان تمام مسائل اور پیچیدگیوں کے باوجود ہمارے ملک کا ایک نمایاں پہلو جسے قابلِ تعریف وستائش سمجھا جاتا ہے، یہ ہے کہ یہاں کسی متعین فرد یا گروہ کی حکمرانی تسلیم نہیں کی گئی ہے بلکہ ایک دستوری حکومت اور اس کی بالادستی قائم ہے۔ اس ملک نے جو اپنے مزاج کے لحاظ سے مذہبی اور اخلاقی ہے، اس دستور کے تحت سیکولر اور جمہوری نظام اختیار کیا ہے۔ اس کے دو اسباب ہیں:

ایک یہ کہ یہ وقت کے غالب افکار ونظریات کا اثر بلکہ اُن سے مرعوبیت کا نتیجہ ہے۔ اس لئے کہ آج کی دنیا اسی کو بہتر طرزِ سیاست سمجھتی ہے۔ دوسری وجہ یہ احساس یا تصور ہے کہ اس ملک کو اختلاف، شکست وریخت، ٹوٹنے پھوٹنے اور بکھرنے سے بچانے کے لئے کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔ ایک مضمون میں بتایا گیا ہے کہ یہ دونوں باتیں خدا سے انکار پر مبنی ہیں، یہ عقل کی میزان میں پوری نہیں اترتیں اور یہ انسانی فطرت، ملک کے ذوق ومزاج اور رجحان سے بھی ہم آہنگ نہیں ہیں۔

دستور کی ان بنیادی کمزوریوں کے باوجود اس کا ایک اچھا پہلو یہ ہے کہ یہاں پُرامن طریقے سے سیاسی تبدیلیاں آتی ہیں۔ اس کے لئے ملک کو کسی بڑے خون خرابے سے گزرنا نہیں پڑتا ہے۔ جمہوریت کی راہ سے جو تبدیلیاں آرہی ہیں وہ بنیادی نوعیت کی نہیں ہیں۔ صرف ہاتھ بدل رہے ہیں۔ کبھی اقتدار ایک کے ہاتھ میں اور کبھی دوسرے کے ہاتھ

یں ہوتا ہے ان میں کوئی اچھا کوئی بُرا ہو سکتا ہے، لیکن بنیادی فکر اور تصورِ سیاست سب کا ایک ہے۔ بڑی بات یہ کہ جمہوریت کے اس عمل نے کسی بنیادی، فکری اور سیاسی انقلاب کے لئے بھی پُرامن راستے کھول دیئے ہیں۔ یہ ایک بہت ہی خوش آیند پہلو ہے۔

اس میں شک نہیں کہ ملک میں جمہوریت کی بنیادیں آہستہ آہستہ مضبوط ہو رہی ہیں لیکن وقفے وقفے سے اُسے سخت دھکے بھی لگتے رہتے ہیں۔ ١٩٧٥ء کی ایمرجنسی اس کی نمایاں مثال ہے جس میں قانون عملاً معطل ہو گیا تھا۔ ٦ ر دسمبر ١٩٩٢ء کو بابری مسجد کی شہادت اور اس کے بعد کے حالات، ٹاڈا کا قانون اور طاقت کا غلط استعمال اس کی دوسری مثال ہے۔ دونوں مرتبہ جماعتِ اسلامی پر پابندی لگی، جو صریح ظلم و زیادتی تھی اور محض سیاسی اغراض کے لیے، قانون سے ناروا فائدہ اُٹھایا گیا تھا۔ بابری مسجد کی شہادت نے دستور پر اقلیتوں کے اعتماد کو مجروح کیا ہے۔ ایک مضمون میں اس کے اثرات پر اظہارِ خیال ہوا ہے۔

اس کے علاوہ ملک میں فرقہ وارانہ فسادات، کمزور افراد اور طبقات کی جان، مال، عزت اور آبرو کو بار بار خطرات کا لاحق ہونا اور ان کا لٹنا، پٹنا اور خانماں برباد ہونا، دستوری حقوق کے لئے ایک چیلنج ہے۔ اس پر بھی اِن مضامین میں توجہ دی گئی ہے۔

ان مضامین کے ایک حصے میں ہندستان میں امتِ مسلمہ کے مسائل اور اس کا منصب اور اس کا مقام زیرِ بحث آیا ہے۔

ہندستان میں پندرہ کروڑ کی آبادی والی اُمتِ مسلمہ ایک بڑی امت ہے۔ پوری دنیا کی امتِ مسلمہ کا یہ آٹھواں حصہ ہے۔ اس کی ایک طویل تاریخ ہے جو صدیوں پر پھیلی ہوئی ہے اس پر وہ فخر کرتی ہے۔ لیکن ابنائے وطن کے نزدیک یہ ایک حریف قوم کی تاریخ ہے۔ اس طویل تاریخ کے مطالعہ کا صحیح نہج متعین کرنے کی ایک مضمون میں کوشش کی گئی ہے۔ ایک مضمون میں ہمارے ماضیِ قریب کی روشنی میں مستقبل کے لائحۂ عمل کی طرف اشارے ہیں۔

آج کے ہندستان میں اس امت کے بے شمار مسائل ہیں۔ کتاب کے پہلے ہی مضمون میں اس کا تفصیل سے ذکر ہے۔ بعض دوسرے مضامین میں بھی ان کی طرف اشارے ہیں۔ اس عظیم ملک میں اتنی بڑی امت کے مسائل کا ہونا تعجب خیز نہیں ہے۔ تعجب خیز تو یہ بات

ہے کہ اتنی بڑی امت کے پاس ان مسائل کو حل کرنے کے لئے جس ژرف نگاہی، دیدہ وری اور بلند ہمتی کی ضرورت ہے اس کا فقدان، یا کمی نظر آتی ہے۔ وہ تعلیمی، معاشی، معاشرتی اور اخلاقی لحاظ سے کمزور ہے۔ اس لڑکھڑاتی قوم کو سہارا دینے اور اوپر اٹھانے کی سنجیدہ کوشش نظر نہیں آرہی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ کچھ منتشر کوششیں ہو رہی ہیں لیکن وہ ناکافی ہیں۔ اُن میں یہی نہیں کہ تیزی آنی چاہئے بلکہ ان کا ہدف اور مقصد واضح ہونا چاہئے۔ جب بھی امت کے کسی مسئلہ پر غور ہو تو اس کی دنیوی ترقی ہی نہیں آخرت کی ابدی فلاح بھی پیش نظر ہونی چاہیے۔ ہماری قیادت کی توجہ بڑی حد تک سیاست کی طرف ہے لیکن اس پہلو سے بھی امت کا ابھی تک کوئی اعتبار قائم نہیں ہوا ہے اور اس کا وزن نہیں محسوس کیا جا رہا ہے۔ یہ پہلو بھی اِن مضامین میں زیر بحث آیا ہے۔

اس مجموعہ کے بعض مضامین میں امت کے نصب العین پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ایک مضمون میں تجربات کی روشنی میں بتایا گیا ہے کہ اس نصب العین کا کس اسلوب اور انداز میں تعارف ہونا چاہئے۔ آخری مضمون میں اُن نوجوانوں سے خطاب ہے جو اسلام کی دعوت اور اقامت کا جذبہ رکھتے ہیں۔ وہ ایمان وعمل صالح اور سیرت و اخلاق سے آراستہ ہو کر اس کا علَم اٹھائیں۔ ان سے امت کو جو توقعات ہیں اُن کو پوری کرنے کی سعی کریں۔ وقت ان کا انتظار کر رہا ہے۔ مستقبل ان شاء اللہ اُن کا ہوگا۔ دعا ہے کہ اس مستقبل کی تعمیر میں ہم سب کا ہاتھ ہو اور ہم سب اپنا حق ادا کریں۔

مولانا سید جلال الدین عمری کی ایک اہم تصنیف

اسلام میں خدمتِ خلق کا تصوّر

خدمتِ خلق کا صحیح تصور ـــ غلط تصوّرات کی تردید ـــ خدمتِ خلق کا اجر و ثواب ـــ خدمت کے مستحقین ـــ وقتی خدمات ـــ رفاہی خدمات ـــ خدمت کے لئے انفرادی واجتماعی جدوجہد ـــ موجودہ دور میں خدمت کے تقاضے اور ان پر عمل کی شکلیں ـــ

مصنف کے جاندار قلم نے ان تمام گوشوں کو نکھار دیا ہے۔

صفحات : ۱۷۶ ، قیمت : -/۴۰ روپے

وقت کے اہم موضوع پر اس پہلی مستند کتاب کا انگریزی، ہندی اور تمل ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔ انگریزی ترجمہ کا عنوان ہے:

THE CONCEPT OF SOCIAL SERVICE IN ISLAM

صفحات : ۱۶۵ ، قیمت : -/۵۰ روپے

ملنے کا پتہ : مکتبہ تحقیق و تصنیف اسلامی، پان والی کوٹھی، دودھ پور، علی گڑھ۔